بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس کے غنچے ہیں چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی

# جامعۃ الہدایہ میں تعلیم کا آغاز

# مفصل روداد

مرتبہ


محمد خالد ندوی

صدر مدرس جامعۃ الہدایہ



ناشر

شعبہ نشر واشاعت جامعۃ الہدایہ جے پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاک اس بستی کی ہو گیو نکر نہ ہمدوشِ ارم
جس نے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

جامعۃ الہدایہ اللہ رب العزت کے ایک مخلص بندے حضرت مولانا محمد عبد الرحیم صاحب دامت برکاتہم کی جدّ و جہد، عمل پیہم، تگ و دو، عزم راسخ اور یقین محکم کا ثمرہ اور اخلاص عمل کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ اتنا عظیم کام ایک فرد کی مساعی سے انجام پا سکتا ہے۔ آج سے دس سال قبل ۲۲ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں جب جامعۃ الہدایہ کی بنیاد عارف باللہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ہاتھوں جے پور کی سرزمین پر رکھی گئی تو لوگوں کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگا کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عظیم عمارتیں اس لق و دق صحرا میں کھڑی ہو جائیں گی۔ اور پھر وہ دن بھی آئے گا جب اس کے در و بام قال اللہ و قال الرسول کے نغموں سے گونج اٹھیں گے، اور شمع ہدایت کی کرنیں ذرہ ذرہ کو تنویر بخش رہی ہوں گی، اور علم و دانش کے پروانے ہر طرف سے ہجوم کر رہے ہوں گے۔

## اخلاص کا ثمرہ

لیکن یہ محض اخلاص و للہیت کا ثمرہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ماحول کی برہمی اور ناساعد حالات کے باوجود بانیٔ جامعہ اور ان کے رفقاء کو اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائی، اور نور ہدایت کو فروغ دینے کے لئے جامعۃ الہدایہ کو وجود بخشا، یہ اس شخصیت کی آرزوؤں اور تمناؤں کا گہوارہ ہے جس نے زندگی بھر ہدایت کی ساقی گری کی اور جس کی آخری خواہش یہ تھی کہ علم و دانش، تربیت و ہدایت کا ایک ایسا مرکز قائم کیا جائے جہاں سے تشنگانِ ہدایت کو سیرابی مل سکے علوم و فنون کی آبیاری کے ساتھ تعمیر سیرت اور کردار سازی کا پورا انتظام ہو۔ ملت اسلامیہ

کے نونہالوں کو جہاں سے سنجیدگی، شگفتگی، کردار کی مضبوطی، وسیع القلبی، عالی نظری، بلند حوصلگی، صدق و راستی، عفت وطہارت، دقت رسی، بالغ نظری، قوت عمل اور احساس ذمہ داری کا بہترین درس ملے نیز عملی، تجربی، فکری، اور نظری توانائی بہم پہونچائی جائے تاکہ اسلام دشمن طاقتوں کے حملے تخریبی قوتوں کی یلغار اور مادیت وحیوانیت کی پُرشور اور تیز وتند موجوں کا مقابلہ کرسکیں اور ملت کی صالح قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں بایں ہمہ علوم نبوت کے حامل اور قرآن وحدیث کے شارح اور ترجمان بھی ہوں۔

حضرت شاہ ہدایت علی صاحب رحمہ اللہ کی یہ آرزو ان کی وفات کے بعد آپکے لائق ہونہار سعادتمند پوتے حضرت شاہ محمد عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

یہ کمال زندگی ہے کہ جب آفتاب ڈوبے
تو فلک کو نور دے کر نئی انجمن سجادے

## انتظار کی نیرنگیاں

دس سال جس مقصد کی تگ ودو میں گذرے تھے اس مقصد کے ظہور کا وقت قریب تھا اور وہ آخری طربناک لمحہ آپہونچا تھا جس کا برسوں سے ہرکس وناکس کو انتظار تھا اور جس کے لئے اس کی کیفیت ؂

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم

اور حالت یہ ہوگئی تھی ؂

اے جذب دل وہ شوخ ستمگر تو اک طرف
پیغام لیکے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

لیکن ــ موج دریا اٹھتی ہے آغوش ساحل دیکھ کر

تعمیراتی کام ایک حد تک مکمل ہوجانے کے بعد ۲۴، ۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۸، ۹ دسمبر ۱۹۸۵ء

کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ ہی کے ہاتھوں عالی شان پیمانے پر جامعہ کا افتتاح رسمی ہوا اور تعلیمی مرحلہ کے آغاز کیلئے ۷ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء کی تاریخ متعین کی گئی۔

## ایک تاریخی دن

۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ بروز سنیچر جامعہ کی تاریخ میں ایک اہم دن تھا علوم دینیہ اور علوم عصریہ کی جامع اہم ترین شخصیتوں کا ایک حسین سنگم نظر آرہا تھا، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک اہم استاد اور وکیل کلیۃ الشریعہ حضرت مولانا ابو العرفان صاحب ندوی اور مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب ناظر کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء پہلے ہی تشریف لا چکے تھے ان دو بزرگوں کے ساتھ راقم الحروف کو جامعہ کی خدمات کے لئے ندوۃ سے بھیجا گیا تھا۔ یہ قافلہ راجدوت ہوٹل ایم آئی روڈ میں قیام پذیر تھا۔ حاضری ایک روز پہلے جمعہ کے دن ہوئی اسٹیشن پر جامعہ کے نائب امیر جناب مولانا فضل الرحیم صاحب ندوی و مولوی ضیاء الرحیم صاحب ندوی اپنی گاڑی کیساتھ موجود تھے ان حضرات کی موجودگی سے سہولت ہوئی اور ڈھائی بجے دن میں حضرت قبلہ شاہ صاحب مدظلہٗ کے دولت کدہ پر حاضری ہوئی اور ہم سب ہدایت مسجد کے مہمان خانہ میں جو حضرت کا خاص مہمان خانہ ہے فروکش ہو گئے۔

مہمانوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، کوئی ملنے آرہا تھا، کوئی قدم بوسی کی غرض سے طول طویل سفر طے کرکے پہونچا تھا، کوئی اپنی ضرورت کے لئے ہفتوں سے قیام پذیر تھا، پذیرائی ہر ایک کی یکساں طور پر کی جارہی تھی۔ حضرت صاحب اس وقت سفر پر تھے، غالبًا بمبئی کا سفر تھا، جے پور واپسی ہونے ہی والی تھی، دوسرے روز مدرسین جامعہ کا انتخاب ہونے والا تھا عصر سے پہلے ہوٹل واپسی ہو گئی۔

## انٹرویو بورڈ کے ارکان

علیگڈھ سے جناب ڈاکٹر محمد شریف خاں صاحب پرنسپل منٹو سرکل ہائی اسکول علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تشریف لائے تھے۔ انٹرویو

اعلان کے مطابق شروع ہوا جس کے لئے درسگاہ کا ایک حصہ مختص کر دیا گیا تھا۔ کلریکل جاب کیلئے بھی انٹرویو اسی روز ہوا۔ تدریسی اسٹاف کا انٹرویو موجودہ درجہ اول عالی میں ہو رہا تھا۔ چیدہ اور منتخب لوگ انٹرویو لے رہے تھے انٹرویو کے لئے ایک بورڈ تشکیل دیا گیا تھا جو مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل تھا۔

(۱) حضرت مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی وکیل کلیۃ الشریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۲) حضرت مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب ناظر کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۳) جناب ڈاکٹر عطاء الرحیم صاحب۔

(۴) مولانا فضل الرحیم صاحب ندوی نائب امیر جامعۃ الہدایہ۔

(۵) مولانا ضیاء الرحیم صاحب ندوی خلف الرشید حضرت شاہ محمد عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم۔

(۶) جناب ڈاکٹر محمد شریف خاں صاحب پرنسپل منٹو سرکل ہائی اسکول علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔

(۷) جناب عبدالحیٔ صاحب تبسم جے پور۔

(۸) جناب عبدالرؤف صاحب جے پور۔

(۹) جناب محمد حشرت صاحب جے پور۔

(۱۰) جناب سید عزیز الدین صاحب وکیل سوائی مادھو پور۔

ان حضرات کے علاوہ بعض ایسے لوگ بھی شریک مجلس تھے جن کی حیثیت محض ناظر کی تھی، راقم الحروف بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل تھا۔

## اساتذہ کا انٹرویو

عام طور پر مولانا ابوالعرفان صاحب ندوی ہی نے سوالات کئے، دینیات کا انتخاب سب سے پہلے ہوا۔ مختلف مدارس کے فارغین دور دور سے آئے ہوئے تھے، انٹرویو سب کا ہوا، لیکن جو کتابیں یہاں نصاب میں داخل تھیں ان کے لئے اگر کوئی موزوں ہو سکتا تھا تو وہ ندوی فضلاء تھے چنانچہ بحیثیت مجموعی کامیابی

انھیں کو ملی۔ اور انھیں کو تدریس کے لئے منتخب کیا گیا۔ اس موقع پر حسب ذیل حضرات منتخب قرار دیے گئے۔ جن کے ناموں کا اعلان بعد میں کیا گیا۔

(۱) مولانا محمد یوسف صاحب ندوی۔

(۲) مولانا محمد طاہر صاحب ندوی۔

(۳) مولانا محمد امتیاز احمد صاحب ندوی۔

(۴) مولانا سید خورشید احمد صاحب ندوی۔

(۵) ماسٹر عبد الرؤف صاحب علیگ، انگلش استاد۔

تقریباً ایک بجے یہ سلسلہ موقوف ہوا۔ ظہر کی نماز دارالاساتذہ میں ادا کی گئی۔ امامت مولوی سید خورشید احمد صاحب ندوی نے فرمائی۔ بعد نماز ظہر اجتماعی کھانا ہوا۔ تمام شرکاء اور حاضرین نے دارالاساتذہ اور درجات حدیث میں کھانا تناول فرمایا۔

## طلبہ کا انتخاب

۸ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار کو طلباء کا انتخاب کیا جانا تھا۔ تقریباً دس بجے جامعہ پہونچنا ہوا۔ لوگوں کا ہجوم منتظر تھا، ایک ایک طالب علم کے ساتھ دو دو تین تین افراد ضرور تھے جس کی وجہ سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جامعہ اپنی وسعت کے باوجود تنگ نہ پڑ جائے۔ لیکن ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور، طلباء کے انتخاب میں راقم الحروف کو بھی شامل کیا گیا عام طور سے طلباء اسکولوں سے آئے تھے۔ جن کی اکثریت اردو سے نابلد اور انگریزی سے بھی تقریباً ناآشنا تھی۔ مدارس سے فیض یافتہ معدودے تھے، جن کا انتخاب اول عالی کے لئے ہوا۔ اکثر و بیشتر داخلے اعدادیہ میں ہوئے۔ اس روز داخلے توقع سے کہیں کم ہوئے۔ درخواستیں تقریباً دو سو موصول ہوئی تھیں امید تھی کہ معتد بہ تعداد ضرور حاضر ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شاید سیشن کے کافی تاخیر سے شروع ہونے کی وجہ سے یا نئے ادارہ کی حیثیت کے

تعین نے بھی بہتوں کو تذبذب میں ڈال دیا ہوگا۔ بہرکیف آئندہ دنوں میں داخلے جاری رہے۔ تعداد میں اضافہ کی غرض نیز داخلے کے خواہش مندوں کی رعایت کرتے ہوئے داخلہ کی تاریخ میں مزید توسیع دے کر پندرہ اکتوبر کردیا گیا۔ تقریباً چوّن۵۴ پچپن۵۵ طلباء نے داخلہ لیا جس میں اکثریت راجستھانی طلباء کی رہی اور یہ ان کا حق بھی تھا۔ کیونکہ راجستھان کی سرزمین پر یہ ادارہ قائم ہو رہا تھا۔ جس میں زندگی کا پیغام اور صبحِ نو کا پیام مضمر تھا۔ عقل و بصیرت والوں نے توجہ دی اور اپنے جگر گوشوں کے لئے مرکز رشد و ہدایت تصور کیا۔ اور نخلِ آرزو کو ثمر افشاں ہونے کا ذریعہ سمجھا۔ جہاں سے

پرتو مہر کی تصویر نظر آتی ہے
جلوۂ طور کی تنویر نظر آتی ہے

اور زبانِ حال سے پھر یہ صدا آتی ہے سے

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں جامعہ کی یہ شئے
عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جوان کیلئے

## جامعہ میں منتقلی

۱۵ / ۱۶ ستمبر تا سوعاء اور عاشورہ محرم الحرام کی وجہ سے ساری سرگرمیاں موقوف رہیں، ہوٹل سے ۹ محرم الحرام کو جامعہ منتقل ہوئی دیگر رفقاء بھی جامعہ منتقل ہو چکے تھے، اکثر رفقاء چونکہ ندوی فضلاء تھے لہٰذا اجنبیت کا احساس جلد ہی ختم ہوگیا ایسا محسوس ہوا کہ ابھی ندوہ ہی میں ہیں۔ حالانکہ ندوہ چھوٹنے کا بے حد ملال تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ مادرِ علمی جس کے تصور ہی سے علم و عرفان کے دیئے روشن ہو جاتے ہیں، جہاں پہونچ کر دل کو سکون اور راحت و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ وہاں کی خدمت چھوڑ کر کہیں اور جانا بے حد بار گراں تھا۔ چنانچہ جب سے سُنا تھا کہ جامعۃ الہدایہ کے لئے میرا جانا طے ہو چکا ہے اور جانا ضروری ہے اس وقت سے طبیعت میں ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ کسی پہلو چین نہیں تھا بعض مخلص اساتذہ نے بڑا دلاسا دیا جس سے غم غلط ہونے میں مدد ملی

اور طبیعت میں جو وحشت کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اس میں کمی آئی، جس کے بہت سے اسباب تھے۔

طبیعت میں توحش کی ایک وجہ تو نئی جگہ کا تصور تھا وہاں کے ماحول میں فٹ ہونا، حالات سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنا، پھر ذمہ داروں کے مزاج و طبیعت سے آشنا ہو کر اس کے مطابق عمل کرنا جس کے بغیر ہم آہنگی و انسجام کی کیفیت ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور کسی اجتماعی کام میں اس کی بے حد ضرورت بھی ہوتی ہے، اور ترقیوں کے سارے تانے بانوں کا مرکز اتصال بھی یہی ہے۔ بہر کیف طبیعت کا اضطراب ہو یا مزاج کی برہمی اس کا وہم و خیال سے گہرا ربط ہوتا ہے، عمل اس کی تکذیب یا تصدیق کر دیتا ہے، تخیلات کے پردہ پر نہ جانے کیسی کیسی تصویریں ابھریں جو بلبلۂ آب کی طرح عدم و وجود سے ہمکنار ہوتی رہیں، بنتی اور بگڑتی رہیں یہاں تک کہ جامعہ میں حاضری اور قریب سے ہر چیز کو دیکھنے کا موقع ملا چنانچہ یہاں کی فضا ماحول، معاملات کا مشاہدہ کرنے خصوصاً ذمہ داروں کے رویہ اور سلوک نے اس احساس کو یکسر زائل کر دیا۔ جو ذہن و فکر پر کسی آسیب کی طرح مسلط ہو رہا تھا۔ فللّٰہ الحمد والمنہ۔

## صبح نو

کاروانِ علم و فن نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، ۱۱ محرم الحرام کے اُفق سے علم و فن کا آفتاب نمودار ہوا جس کی ضیا پاش کرنوں سے جامعہ کا ذرہ ذرہ روشن و منور ہو رہا تھا، بادِ صبا سبک خرام تھی، ہر سمت میں ہر پہلو میں جھومتی مسکراتی نظر آتی تھیں، ہر منظر دیدنی، دلکش و دلآویز تھا، صبح نو کی نیرنگیوں کے ساتھ عروس بہار نے وادئ ہدایت میں خیمہ گاڑ دیا تھا، علم و فن اور رشد و ہدایت کی وہ کلی مسکرانے کو تھی جس کی آبیاری میں ایک دہے کی تب و تاب شامل تھی، اور جس کی چمن بندی میں بہترین صلاحیتیں وقف ہوئی تھیں ہر چیز میں سلیقہ مندی اور ہر رنگ میں ندرت و جدت عیاں تھی ؎

ہے آئینہ چہرہ رخ میں تصویر بہار
رنگ وہ خندۂ گل جس پہ ہے سو جاں سے نثار

اور سے

فضا مسرور، الفت تھی ہوا معمور نکہت تھی
زمیں سے آسماں تک بس لطافت ہی لطافت تھی

اس لطافت سے معمور نکہت بیز، اثر خیز، عطر بیز، و گل ریز فضا میں جامعہ میں تعلیم کا آغاز ہونے جارہا تھا۔ عمائدین شہر خاصی تعداد میں موجود تھے۔ ڈائننگ ہال کے وسیع اور کشادہ ہال میں ڈائس پر حضرت شاہ صاحب کی صدارت میں جناب مولوی فضل الرحیم صاحب ندوی کی تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ ہال میں حاضرین کی کافی تعداد تھی اور بہت سے لوگ راہداریوں میں کھڑے ہمہ تن گوش نظر آرہے تھے افتتاحی تقریر حضرت مولانا ابوالعرفان صاحب نے فرمائی اور جامعہ کے اس تعلیمی آغاز کو ملت اسلامیہ کے لئے بہترین تحفہ قرار دیتے ہوئے تاریخی شواہد سے اس کی اہمیت و ضرورت اور افادیت پر شرح و بسط کیساتھ روشنی ڈالی بعد ازاں مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نے حاضرین کو مخاطب کیا۔ اور بڑے جذباتی انداز میں طلباء و اساتذہ کے باہمی روابط اور فرق مراتب کے ساتھ احساس ذمہ داری کو دلنشین انداز میں واقعات کے ذیل میں پیش کیا۔ مجمع نے بڑے تأثر کے ساتھ تقریر سماعت فرمائی حضرت شاہ صاحب کی ایماء پر خاکسار کو بھی زحمت سخن اٹھانی پڑی اور یہ میرے لیے سعادت کی بات تھی کہ اپنے بزرگوں کی موجودگی میں امتثال امر کے طور پر کچھ معروضات کا موقع ہاتھ آئے۔ شاید یہ میری پہلی تقریر تھی جو اپنے ان محسن اساتذہ کی موجودگی میں ہو رہی تھی جس میں اس پہلو پر خاص طور پر روشنی ڈالی گئی۔

"کہ حفاظت و بقا، ترقی و تحفظ کی ضمانت نہ ان اونچی اونچی فصیلوں میں ہے اور نہ ان فلک شگاف کوہستانی سلسلوں میں جن کی زمانہ ماضی میں بڑی اہمیت تھی۔ اور مراکز سلطنت کے لئے ایسے ہی محفوظ جگہوں کا انتخاب کیا جاتا تھا لیکن کیا ان پیش بندیوں نے ان قوموں کے انحطاط و زوال کو روکا۔ کیا ان کی شیرازہ بندی ہو سکی۔ نہیں جب وقت آیا سب سدھار گئے، بکھر گئے، اونچے اونچے محلات پر شکوہ عمارتیں، خوبصورت راہداریاں، وسیع و عریض

دروازے، توپ و تفنگ، جنگ و رباب کے انبار، ان میں سے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ اور نہ ان قوموں کی بقا کی ضمانت مل سکی لیکن آج اس ادارہ کو قائم کر کے ان انمٹ نقوش کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جن سے بقا و تحفظ کی تقدیر وابستہ ہے اور عروج وارتقاء کی تاریخ مربوط ہے اہل مغرب کو اس کا ادراک تھا اور اہل مشرق کے تغافل نے اس کے برکات سے انھیں محروم کر دیا تھا۔ چنانچہ برطانیہ کو جب مصر پر فتح ہوئی تو پارلیمنٹ کا افتتاح کرتے ہوئے برطانیہ کے وزیر اعظم گولڈن اسٹون نے ان الفاظ میں اس کا تذکرہ کیا تھا۔

"آپ خوش نہ ہوں کہ مصر پر آپ کو فتح حاصل ہو چکی ہے، نہیں! جب تک ہر مصری مسلم باشندہ سے اس کتاب (قرآن پاک) کو نہ چھین لیا جائے آپ کی فتح مشکوک ہے، اصلی فتح جب ہے جب انھیں اس سرمایہ سے محروم کر دیا جائے۔"

گولڈن اسٹون نے صحیح کہا تھا، جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" بیشک قرآن پاک کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے لہذا تم قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑے رہو اگر تم نے تغافل سے کام نہ لیا تو تم اپنے منصب رفیع سے ہرگز نہیں بھٹک سکتے۔"

آج اللہ کے ایک مخلص بندے نے ہماری اور آپ ہی کی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی بقا، وتحفظ کا سامان اس جامعہ کو قائم کر کے فراہم کیا ہے اس لحاظ سے آپ کی تگ و دو قابل قدر اور قابل ستائش ہے۔

احساس عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

جلسہ کا اختتام حضرت قبلہ شاہ صاحب کی تقریر و دعا پر ہوا۔

# تعلیم کی ابتداء

علم شاخِ گل کی نکہت ہے عمل نوشینہ ہے
یا یہ کہیے علم چہرہ ہے، عمل آئینہ ہے

درس و تدریس ہی کسی دانش کدہ اور درسگاہ کی اصل روح ہے اس کے بغیر اس کے تن ستنگی میں نہ کوئی زندگی ہے اور نہ کوئی حرکت و حرارت نہ اس کی افادیت مسلم نہ ہی اہمیت و ضرورت، اب جامعہ کے تن مرمریں میں روح پھونکنے کا وقت آچکا ہے۔ رشد و ہدایت کا یہ قافلہ جو علم و حکمت کا دریا بہار ہا تھا درس گاہ کی مرکزی عمارت کی طرف رواں دواں تھا، آگے آگے حضرت صاحب اور پیچھے مہمانان گرامی قدر پھر عمائدین شہر، اس کمرہ تک پہونچے جہاں انٹرویو میں کامیاب طلبار پہلے ہی سے حاضر تھے۔ حضرت صاحب کی ایمار پر جناب مولانا ابو العرفان صاحب مدظلہ نے تمرین النحو کے ابتدائی سبق سے چند جملے مبتدا خبر کے پڑھا کر تعلیم کا آغاز فرمایا، مولانا نے جملوں کے انتخاب میں جس حسن ترتیب کا مظاہرہ فرمایا وہ انھیں کا حصہ ہے، گویا تعلیم کا سارا ماحصل مذہب و تدین کا عطر کشید کر ان جملوں میں بھر دیا گیا تھا جو زندگی کا حاصل اور جہاں سے کائنات کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کی ضمانت فراہم ہوتی ہے آپ غور فرمائیں تو کائنات کی ہر چیز مبتدا اور خبر سے وابستہ ہے اس کی سعادت اس کی حقیقت سے آشنا ہونے ہی میں ہے اس آغاز اور انجام ہی کا دوسرا نام مبتدا اور خبر ہے۔ ان جملوں پر ایک نظر آپ بھی ڈالیں۔

| | |
|---|---|
| ۱ اللہ واحد | اللہ ایک ہے |
| ۲ الرسول صادق | رسول سچا ہے |
| ۳ الصنم عاجز | بت عاجز ہے |
| ۴ کسر ابراھیم الاصنام | ابراہیم نے بتوں کو توڑا |
| ۵ نصر اللہ عبدہ | اللہ نے اپنے بندہ کی مدد کی۔ |

## جملوں کا باہمی ربط

ان پانچ جملوں میں کیسا عمدہ ربط اور نظام دعوت کا کیسا حسین امتزاج پایا جارہا ہے، پہلے جملہ سے خدا کی وحدانیت کا اعلان ہے جس کی خبر مخبر صادق رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کو ہر دور میں دیاہے اور اسی پیام سرمدی کے طفیل کائنات کے ذرہ ذرہ تابندہ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے چرخ کہن نے نہ جانے کتنے نظارے دیکھے بساط گیتی پر آبادیوں اور بربادیوں کے کتنے واقعات مرسوم ہوئے لیکن یہ پیغام کبھی نہیں بدلا اور کلمۃ اللہ میں تبدیلی ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ خالق حقیقی کا خود ارشاد ہے " لاتبدیل لکلمات اللّٰہ ۔۔ اللہ کے (احکام) کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں قبول کی جاسکتی ۔

جب اللہ رب العزت کے کسی مخلص بندے نے یہ آواز لگائی تو نور وظلمت کی کشمکش شروع ہوگئی ۔ وادی نیل میں فرعون کی للکار سنائی دینے لگی ۔ نمرودی انا کو ٹھیس پہونچی اور آتش غرور نے ہر چیز کو خاکستر کر دینا چاہا ، ہر چہار طرف سے یلغار ہوئی اور اس حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کی گئی جب بات نہیں بنی تو بہتان تراشیوں کا سلسلہ جاری ہوا ، قوت آزمائی کی گئی حوصلہ پست کر دینے کے سارے اسباب جمع کئے گئے لیکن نور ہدایت آفتاب کی طرح چڑھتا رہا اور ابر کی طرح بڑھتا رہا ۔ اس سلسلہ میں بہترین اسوۂ خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت خلیل ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے کہ آپ نے بت گری کے ماحول میں جرأت وجسارت کے ساتھ اپنا فریضہ انجام دیا اور وہ اللہ عزوجل کے خلیل قرار پائے ۔ اور امامت وپیشوائی ان کے حصہ میں آئی انی جاعلک للناس اماما سے انھیں مخاطب کیا گیا اور اس بات کی ضمانت دی گئی کہ آئندہ اس سیرت وکردار کے حامل ہی منصب امامت وپیشوائی کے مستحق ہونگے لہذا طلبہ نے یہ جملہ پڑھا ۔ کسر ابراھیم الاصنام ۔۔ ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا ، تو ساری حقیقتیں سامنے آگئیں اور اس کا یقین ہوگیا کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اسے کوئی گزند نہیں پہونچا سکتا اور اس کی دعوت وپیغام کے راستے میں کوئی سد گراں نہیں بن سکتا اور یہ حقیقت ہے ۔

"من كان الله كان الله له" جو اللہ کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے اور جس کا خدا محافظ و پاسبان ہو اس کو کون نقصان پہونچا سکتا ہے اس کے نظریات و افکار کی نشو و نما پہ کون قدغن عائد کر سکتا ہے بلکہ اس کی دعوت جنگل کی آگ کی طرح بڑھتی رہے گی اور آکاس بیل کی طرح گرد و پیش کا احاطہ کرتے ہوئے فرازوں کو جائے گی، جو اس کا مقام و منزل ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ناصر و مددگار ہے اس کی آواز خدا کی آواز اور اس کا پیغام خدا کا پیغام ہے۔ اس نے راہ خدا میں جد و جہد کی ہے خدا اس کی کوششوں کو ضائع نہیں فرمائے گا" لينصرن الله من ينصره" اللہ اس کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے۔

نورِ حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

طلباء نے نصر اللہ عبیدہ کا آخری جملہ پڑھا اور یہ ساری حقیقتیں نظروں میں جلوہ گر ہو گئیں اور اس یقین میں اضافہ ہوا کہ خدا کی نصرت بعد ہی میں آتی ہے پہلے کچھ ایثار و قربانی سے کام لینا پڑتا ہے ؎

لو تو پروانے بھی دیں گے لیکن
پہلے خود شمع کو جلنا ہو گا

## تعلیمی نظام کی تشکیل

۷ ارستمبر ۱۹۸۶ء بروز بدھ کو تدریس کا باقاعدہ آغاز تو نہ ہو سکا اس لئے کہ ابھی نظام کی تشکیل کا کام باقی تھا، نظام الاوقات مرتب ہونا تھا، طلباء کی درجہ بندی کرنی تھی اور درجہ اعدادیہ میں سیکشن وار تعلیم کا نظام بنانا تھا۔ جو اسی روز رات تک جناب مولانا فضل الرحیم صاحب ندوی کی رہنمائی میں مرتب کر لیا گیا اور دوسرے روز سے باقاعدہ تعلیمی نظام شروع ہو گیا۔

منتخب اساتذہ جامعہ پہونچ چکے تھے انٹرویو میں کامیاب انگلش ٹیچر جناب ماسٹر عبدالرؤف

صاحب ایم، اے، ایم ایڈ علیگ کو بذریعہ ٹیلیگرام اطلاع دی جا چکی تھی، ایک ہفتہ تک انگلش پیریڈ کی خانہ پری ہوتی رہی تاآنکہ وہ ۲۳؍ستمبر کو جامعہ پہونچکر مفوضہ خدمات کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ تعلیمی نظام پورے انہماک، توجہ، دلچسپی اور رغبت کے ساتھ جاری وساری ہو گیا۔

تعلیم کے سات گھنٹے مقرر کئے گئے، ہر گھنٹہ ۴۰ منٹ پر مشتمل تھا سارے گھنٹے تسلسل سے تھے البتہ چوتھے اور پانچویں گھنٹے کے درمیان ۲۰ منٹ کا وقفہ رکھا گیا تاکہ تسلسل کی وجہ سے طبیعت میں انقباض پیدا نہ ہو بلکہ شگفتگی اور تازگی کی فضا قائم رہے جو دماغی کام کرنے والوں کے لئے ازحد ضروری ہے۔

## باضابطہ درس کا آغاز

۱۸؍ستمبر بروز جمعرات مطابق ۱۲؍محرم الحرام سے باضابطہ تعلیم شروع ہوئی تعلیمی وقت صبح ۸ بجے تا ایک بجے رکھا گیا۔

اعدادیہ میں چونکہ تعداد زیادہ تھی اس لئے دو حصوں میں انھیں تقسیم کر دیا گیا، تقسیم میں طلبار کے سن وسال کا لحاظ کرتے ہوئے اعدادیہ الف، اعدادیہ ب، دو درجے قائم کئے گئے۔ تقریباً ہر درجہ میں بیس[۲۰] تا پچیس[۲۵] لڑکے تھے، سال اول عالی میں صرف دو طلبا نے داخلہ لیا، جمیل احمد گجراتی اور محمد سہیل حسنی رائے بریلوی ان دونوں کی وجہ سے درجہ قائم ہوا، اور باانتظام تعلیم شروع ہو گئی بعدازاں دو طلبا کے اضافہ سے تعداد چار تک پہونچ گئی۔

## طلبار کی تعداد

طلبار کے داخلے کے ذیل میں یہ بات گذر چکی ہے کہ تقریباً ۴۵، ۵۵ طلبا نے داخلہ لیا تھا لیکن درجہ میں حاضری کچھ کم رہی اس کی وجہ یہ ہے کہ چند ایک نے داخلہ ضرور لیا لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ ٹیکنیکل تعلیم کا آغاز سال رواں کے بجائے سالِ آئندہ ہوگا اور اس کے لئے دو سالہ پری کورس (اعدادیہ) کرنا ہوگا اس کے بغیر ٹیکنیکل تعلیم ممکن نہیں تو وہ پریشان سے ہوئے، اور بچکے سے کھسک گئے، کچھ شدید علالت کی وجہ سے تعلیم جاری نہ رکھ سکے بعض کو ناشائستہ پاکر جامعہ نے قصوت

سے معذرت کر دی اس طرح مجموعی تعداد مزید گھٹی لیکن جانے والوں کا تناسب پھر بھی بہت کم رہا. بلکہ بعض کو تو زبردستی بھیجنا پڑا وہ خود کسی صورت میں جانے پر راضی نہ تھے لیکن ان کی موجودگی سے کچھ انتظامی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں بنا بریں ان کی موجودگی غیر مستحسن قرار دی گئی اور رخصت کر دیا گیا.

## موجودہ تعداد

فی الحال طلبار کی مجموعی تعداد ۲۷ ہے، تینوں درجے انھیں سے قائم ہیں ان پر پوری توجہ دی جا رہی ہے پورے انہماک اور دلچسپی سے سارے اساتذہ مفوضہ خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں، صبح سے شام تک بس طلبار کی تعلیم و تربیت اور انھیں راحت و سہولت بہم پہونچانے کی فکر میں لگا رہنا پڑتا ہے، بتدریج تعلیمی ارتقاء کے ساتھ جسمانی نشوونما اور بہتر صحت کا بھی خیال کیا جاتا ہے

## ورزش کا نظم

یہ ایک حقیقت ہے کہ اعضاء و جوارح کی بہتر نشوونما عمدہ ذہنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں اور قوت مدرکہ کو فروغ دینے، دقت رسی اور کدو کاوش سے بہتر نتائج حاصل کرنے کی راہ میں اہم کردار ادا کرتی ہے اس کے پیش نظر علی الصباح ورزش کا باقاعدہ نظم رکھا گیا. آغاز ہی میں ایسا نظام ترتیب دیا گیا جو بچوں کے ذہن پر بار بھی نہ ہو اور ریاضت کے کلیدی اور دور رس فوائد اس سے حاصل ہو سکیں چونکہ اکثر طلبار مدارس کے بجائے اسکولوں سے آئے ہوئے تھے لہٰذا انھیں اس نظام کا پابند کرنا بنسبت ان بچوں کے جو کسی دینی درسگاہ سے آئے ہوں آسان تھا. لہٰذا تدریسی نظام ہی کے ساتھ ورزش کا نظام بھی باقاعدہ شروع ہو گیا اور طلبار کئی قسم کی ریاضتوں کے ساتھ لانگ جمپ، ہائی جمپ، رسہ کشی، پنجہ آزمائی، ریس نیز مختلف قسم کے کھیلوں میں شریک ہونے لگے ابتدا میں کچھ ضرور دشواری ہوئی لیکن رفتہ رفتہ جب عادت بن گئی تو طلباء خود دلچسپی سے شریک ہونے لگے بلکہ ابتدا میں جمعہ کو ورزش کی پابندی نہیں تھی لیکن خود طلبار نے اصرار کیا اور جمعہ کو بھی ورزش کا باقاعدہ انتظام کرنا پڑا.

عموماً صبح کی نماز کے بعد تقریباً بیس منٹ تلاوت ہوتی ہے، پھر طلبا فیلڈ یا لان میں جمع ہوجاتے ہیں اور اجتماعی ورزش کسی نہ کسی استاد کی نگرانی میں کرتے ہیں تاکہ نشاط و انبساط کے ساتھ متانت و سنجیدگی کی فضا بھی قائم رہے۔

## ورزش کی ضرورت

نونہالان اسلام کی علمی، فکری، ذہنی تربیت کے ساتھ جسمانی تربیت کی بھی بے حد ضرورت ہے اس کے بغیر نہ کوئی تعمیری کام انجام دیا جاسکتا ہے اور نہ ذہن و فکر کی نشو و نما اور اس کی آبیاری ہوسکتی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، المومن القوی خیر من المومن الضعیف (الحدیث) طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔ اور حسینؓ یہ حکم دیا تھا کہ مسلمانوں تیر اندازی سیکھو (نشانہ ٹھیک کرو) یہ تمہاری میراث ہے۔ کیونکہ تمہارے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے اچھے تیر انداز اور نشانہ باز تھے، یہی وجہ ہے کہ اسلاف کے یہاں اس پر بڑی توجہ دی جاتی تھی، امام بخاریؒ بڑے اچھے نشانہ کے مالک تھے۔ اور دیگر اہم علما و محدثین نہ صرف اس سے واقف بلکہ علما اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہؒ حضرت سید احمد شہیدؒ اور سید اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے کارنامے اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

لیکن افسوس آج ان مراکز میں بھی اس پہلو پر غور نہیں کیا جاتا۔ جہاں دن رات اس قسم کی حدیثیں واقعات اور نمونے درس کے دوران گذرتے رہتے ہیں لیکن ان کی حیثیت نظری ہوکر رہ گئی ہے جس کا عمل سے کوئی رشتہ نہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ انھیں اپنے اسلاف کے کارناموں پر ناز بھی ہے لیکن اس سلسلہ میں انھیں اسوہ نہیں بنایا جاتا۔

بلکہ بعض اداروں میں تو اس قسم کی کوئی سرگرمی شاید نظری طور پر بھی قابل قبول نہیں اب تو حالت یہ ہوگئی ہے کہ علماء کے شان سے فروتر اسے باور کیا جانے لگا ہے۔

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

## طلباء کی انجمن الہدایہ کا قیام

تعلیم کے ساتھ طلباء میں ذوق مطالعہ پیدا کرنے تحقیق و تدقیق کا فن اور فکر و نظر کو وسعت دینے کے لئے ضروری تھا کہ ایک انجمن کا بھی قیام ہو جسکے سربراہ طلباء ہی ہوں اور اساتذہ کی نگرانی و اشراف میں تزئین اُمم کے اوصاف اور رشحات قلم کی خصوصیات پیدا کریں جہاں وہ اپنی کاوشیں تقریر و تحریر کی شکل میں پیش کریں، عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس کے معائب و محاسن کا تجزیہ کریں، ما فی الضمیر کو دلکش اور دل نشیں انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت پیدا کریں اور وہ تاب سخن پیدا کریں جو دلوں کو اسیر ذہنوں کو مسحور اور فکر و خیال کو مخمور کر دے۔ لہذا اس مقصد کے حصول کی خاطر حضرت مولانا ابوالعرفان صاحب کی موجودگی میں "انجمن الہدایہ" کا قیام عمل میں آیا طلباء میں ذوق تحریر اور خطابت کو فروغ دینے کے لئے الگ الگ اس انجمن کی ذیلی دو بزمیں بزم ہدایت، اور بزم رحیمی کے نام سے قائم کی گئی ناموں کا انتخاب مولانا محمد مرتضیٰ صاحب مدظلہ نے فرمایا جس کو سبھی نے پسند کیا۔

## انجمن کا پہلا جلسہ

دوسرے ہفتہ میں ان بزموں کا باقاعدہ انعقاد عمل میں آیا۔ انجمن کا ابتدائی جلسہ مورخہ ۲۶ محرم الحرام مطابق ۲ راکتوبر بزیر صدارت مولانا فضل الرحیم صاحب ندوی نائب امیر جامعہ منعقد ہوا، مولوی ضیاء الرحیم صاحب ندوی مہمان خصوصی تھے، جامعہ کے استاذ مولوی محمد طاہر صاحب ندوی نے جلسہ کو کنڈکٹ کر رہے تھے، تقریباً سارے ہی اساتذہ نے اس موقع پر اپنی انبساط کا اظہار کرتے ہوئے طلباء کے سامنے تقریر و تحریر کی ضرورت اہمیت اور عصر حاضر میں اس کی افادیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ طلباء ہمہ تن گوش تھے۔ ان میں اکثر وہ تھے جن کی زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا اور اپنے اشہب خامہ و سمند ناز سخن کو مہمیز کرنے کی طرف پہلا قدم تھا۔ کچھ حیرت و استعجاب سے انگشت بدنداں تھے اور بعض فرحت و انبساط

سے جھوم رہے تھے ۔

## مولوی ضیاء الرحیم صاحب ندوی کا خطاب

مولوی ضیاء الرحیم صاحب نے عربی زبان میں شستہ بشگفتہ دل نشیں پیرایہ میں مخاطب کرتے ہوئے عربی میں فرمایا: ”اے چمنستان علم وفن کے پھول، اے گلستانِ ایمان و یقین کے ابن تبول اے خیابان ہدایت کی رعنائیاں، اے شبستان رنگ و نور کی نیرنگیاں ہم تمہارا صمیم قلب سے استقبال کرتے ہیں، تم شمع ہدایت کے پروانے ہو تمہیں ہم مرحبا کہتے ہیں، ہم تمہاری آمد پر خوش، مسرور اور شاداں ہیں، جامعۃ الہدایہ یہ تمہارا نشیمن ہے، آج تمہارے وجود سے جامعہ کی لوح جبیں پُر نور ہوئی ہے اور اس کا ذرہ ذرہ گل بداماں ہے اس کی رفعتیں تمہیں جھک کر سلام کرتی ہیں اور اس کی وسعتیں تمہارے لئے وقف ہوگئی ہیں. شیر مادر کی طرح اس مادر علمی پر اب تمہارا حق ہے اور اس کا تم پر، یہ مادر علم ہے مرکز محترم ہے، شمع طاق حرم ہے، جس کی لو کو تیز کرنا اور ظلمت گر آپ گل میں اس کے انوار سے فیضیاب ہونا، اور ہستی کے تعطل و جمود میں مضراب یقین کو جنبش دے کر مرغانِ چمن میں بیداری پیدا کرنا تمہارا کام ہے، اب تم بزم ہدایت کے ساقی بنو، اور میخانہ رنگ و بو میں ہدایت کی ساقی گری کرنے والے بن جاؤ اور بزم رحیمی کے شہسوار بن کر اشہب خامہ کو ایڑ لگاؤ تمہارے خامۂ بہاراں سے علم و عرفان کے غنچے چٹکیں کلیاں کھلیں، اور پھول مسکرائیں، اور رشحات قلم سے علم و فن کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں اور چمنستان دہر میں بہار آجائے ۔“

## صدر جلسہ کا خطاب

بعد ازاں صدر جلسہ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ”آپ حضرات مہمانانِ رسول ہیں، دور دراز سے آپ نے جامعہ کا قصد کیا ہے شمع علم کے پروانے بن کر آئے ہیں اب اپنی قربانیوں سے اس کی روشنی کو تیز کرنا آپ کا فرض ہے آپ نے جامعہ کو دیکھا، آپ نے غور کیا ہوگا کہ اس کی تعمیر میں کتنی مشقتیں جھیلنی پڑی ہیں، کتنی ٹھوکریں کھانی پڑی

ہیں، آج سے دس سال پہلے اس کا وجود سراب وخواب سے زیادہ نہیں تھا، حضرت شاہ ہدایت علی صاحب حجۃ اللہ کا تخیل بلکہ ان کی آخری خواہش اور آرزو، جو کسی ادارہ کی تعمیر سے وابستہ تھی جس میں علم نبوت کی قندیلوں میں صنعت وحرفت کے آبگینے جڑے ہوئے ہوں، اس میں نظام وانتظام اور نصاب و احتساب کی وہ صاف وشفاف بلوریاں آویزاں ہوں جو اس کے حسن کو دوبالا کر رہی ہوں اور اس کی کرنیں دور دور تک پہونچا رہی ہوں، حضرت کی یہ تمنا اس جامعہ کی شکل میں پوری ہوئی لیکن اس منزل تک پہونچنے کے لئے کتنے نشیب وفراز سے گذرنا پڑا ہے بہتر ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس کا ایک اجمالی خاکہ آجائے۔

## ابتدائی مرحلہ

ہمارے پاس ابتدا میں تو کوئی جگہ نہیں تھی اندرون شہر قیام گاہ سے چند گز کے فاصلے پر مغربی جانب بالکل محاذ میں ایک قطعہ آراضی غیر آباد ایک ٹھاکر کی پڑی ہوئی تھی طبیعت نے انگڑائی لی، شوق نے رہنمائی کی، اس آراضی کو حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی گئی اور ایک ڈیڑھ ایکڑ کی اس قطعہ آراضی پر جامعہ قائم کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا گیا، قریب تھا کہ معاملہ مکمل ہوجائے لیکن شاید اللہ تعالی کو جامعہ کے لئے جیسے ایک وسیع پرفضا مقام پر آباد ہونا تھا یہ ٹکڑا پسند نہ آیا اور بعض وجوہ کی بناپر بیعنامہ تشنہ رہ گیا اور تگ ودو جاری رہی جامعہ قائم کرنے کی فکر اس قدر آپ پر مستولی تھی کہ کسی طرح قرار نہیں تھا۔ بے سروسامانی کی حالت میں محض اللہ رب العزت کے بھروسہ کام کو نئی توانائی پہونچائی گئی اور پرفضا وسیع اور صحت افزا مقام کی تلاش شروع کردی گئی شہر کے ایک حصے میں وقف کی ایک بڑی جائداد تھی جس کے حصول کی کوشش کی گئی لیکن اپنوں ہی سے مایوسی ہوئی اور جلد اس کا خیال بھی جاتا رہا بالآخر وہ زمین بھی وقف کی تولیت کا بار احسان زیادہ دنوں برداشت نہ کرسکی، اور بازآبادکاری کے پرفریب ہتھکنڈوں نے اس کی رہی سہی کسر پوری کردی۔

## فصیلوں کے باہر

جے پور اپنے حسن گلگوں اور جمال پرفسوں کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہے، اسے گلابی شہر کہا جاتا ہے یا پنک سٹی کا نام دیا جاتا ہے

اس کے چاروں طرف گلابی فصیلیں آج بھی قائم ہیں، اونچے بڑے منقش دروازے آج بھی ماضی کی عظمتوں کے گواہ اور زمانہ کی طوطا چشمیوں اور ستم رانیوں کے شاہد عدل صدیوں سے کھڑے عہد رفتہ کی تاریخ سنا رہے ہیں، آزادی سے پہلے شہر اندرون فصیل آباد تھا، تقریباً ایک لاکھ کی آبادی تھی جس میں ایک تہائی آبادی مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ آزادی کی صبح نمودار ہوتے ہی جے پور نے بھی نئی کروٹ لی اور جذبۂ حریت نے اسے فصیلوں سے باہر پہونچا دیا۔ اور تیزی سے ہر طرف آبادیاں پھیلنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے راجستھان کا سب سے بڑا مرکزی شہر ہونے کا اسے شرف حاصل ہوگیا اس کی آبادی مسلسل پھیلتی رہی یہاں تک کہ دور دراز تک پہونچ گئی۔

آپ نے اس ضمن میں فرمایا کہ اندرون فصیل یا شہر سے متصل کسی جگہ کا حاصل کرنا بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ شاہی فصیلوں کے آگے، کوہسار کا طویل سلسلہ شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے اس قدرتی فصیل کی وجہ سے آبادی کا رخ اس سمت میں نہیں تھا۔ خیال ہوا کہ غایت منشودہ کی تلاش کیوں نہ ادھر ہی کی جائے۔ پہاڑی کے دامن میں بے شمار شاہی آثار آج بھی موجود ہیں بعض تو پوری طرح کھنڈر بن چکے ہیں اور بعض آج بھی زمانہ کی دست برد سے کسی حد تک محفوظ عظمت پارینہ کو قائم کئے ہوئے کوہساروں کے سایہ میں نیم جان اور نیم دراز نظر آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے آمیر کے قریب مشرق جنوب میں ایک سرائے "سرائے باڑی" کے نام سے مشہور ہے، جس کو کثرت استعمال کی وجہ سے سانئے باوڑی کہا جاتا ہے، وہ جگہ کسی حد تک وسیع اور پرفضا تھی لیکن دلّی جے پور ہائی وے پر واقع ہونے کی وجہ سے ٹریفک کا ازدحام تیز گاڑیوں کی آمد و رفت سے پیدا ہونے والا شور شرابا اور بخارات کی کثرت کی وجہ سے کسی علمی مرکز اور دانش گاہ کے لئے اس جگہ کو غیر موزوں تصور کیا گیا اور اس کے حصول کی کوشش ترک کردی گئی۔

## رام گڑھ روڈ کا انتخاب

مان سنگھ ساگر گھاٹی سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی مسلم بستی ایک غیر مسطح پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جسے سٹروا کہا جاتا ہے روڈ اور پہاڑی کے درمیان وہ اس طرح واقع ہے کہ گذرتے ہوئے بستی کا محل وقوع ببول، کیکر کھیجڑا نیز کھجوروں کے درختوں میں پوری طرح چھپ جاتا ہے معلوم ہوا کہ اس بستی کے بعض صاحب اثر افراد اس کام میں ہاتھ بٹا سکتے ہیں لہذا جامعہ کے وفد نے ان لوگوں سے ملاقات کی اور اپنے عزائم کا اعادہ کیا ان لوگوں نے توجہ سے باتیں سنیں اور کہنے لگے۔ مولوی صاحب یہ مسجد کے سامنے جگہ ہے یہاں۔ رسہ بناؤ یہ کافی ہے جب ان سے کہا گیا کہ وہ ایک مکتب نہیں ہوگا بلکہ اعلیٰ درجہ کا اقامتی ادارہ ہوگا۔ تو انھیں بات سمجھ میں نہیں آئی کہنے لگے اس میں لڑکے بھی رہ سکتے ہیں۔ بہر کیف دیر تک تبادلۂ خیال کے نتیجہ میں جب انھیں وسیع پروگرام کا احساس ہوا تو تعاون دینے کا وعدہ کیا۔ اس گاؤں سے مشرق میں دور تک کوئی آبادی نہیں تھی خاردار ببولوں کے جھنڈ، جس میں بکثرت تیتر بٹر گشتیاں کرتے۔ فاختائیں، قمریاں، اور کبوتریاں پرواز بھرتی فضا میں نغمہ بکھیرتی ہوئی نظر آتی ہیں، چار پانچ کیلومیٹر مربع علاقہ کا اکثر حصہ غیر مزروع لیکن مقبوضہ آراضی کا حصہ تھا درمیان میں سے رام گڑھ روڈ گذرتا ہے یہ جگہ جامعۃ الھدایہ کے قیام اور اس کے عظیم منصوبوں کی تکمیل کے لئے مناسب سمجھی گئی۔ چنانچہ اس پورے علاقہ کے کاغذات نکلوائے گئے۔ اور جامعہ کی ضرورت کے مطابق آراضی اکوائر کی گئی۔ اور ایک مجوزہ خاکہ مرتب کر لیا گیا۔

## آراضی کا حصول

اب مرحلہ زمینوں کی حصول کا تھا۔ جس میں اکثر آراضیاں غیر مسلموں کی تھیں بعض ٹکڑے مسلمانوں کے قبضہ میں بھی تھے۔ جب لوگوں کو جامعہ کے منصوبوں کا علم ہوا تو بہت سی پروفیشنل تنظیمیں سامنے آگئیں اور اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا لیکن اللہ رب العزت ان سب مرحلوں سے بعافیت گذار دیا ان سب دشواریوں کے باوجود مجوزہ خاکہ کیمطابق

زمینیں حاصل کی جاتی رہیں یہاں تک کہ اب تقریباً دوسو ایکڑ زمین جامعہ کے پاس ہے جو محض خدا کا فضل اور بزرگوں کی دعاؤں کا اور اخلاص کا ثمرہ اور بانیٔ جامعہ کی بلند ہستی، اولوالعزمی، استقامت و پامردی اور اللہ رب العزت کی ذات پر کامل یقین کا نتیجہ ہے۔ ؎

یقین افراد کا سرمایہ تعمیر ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیر ملت ہے

موجودہ حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عزیز طلباء دس سال کی مسلسل جدوجہد پر ایک طائرانہ نظر آج ڈالتے ہیں تو خود کو یقین نہیں آتا کہ یہ کیسے ہوگیا لیکن یہ بھی آپ یاد رکھیں جو کچھ ہوگیا وہ اس سے ابھی بہت کم ہے جنھیں ابھی کیا جانا ہے آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام مشکلات کو آسان کر دے جن کو وقتی مصالح نے جنم دیا ہے۔

تقریر برمحل اور مؤثر تھی، طلباء و اساتذہ اس داستان عزیمت کو سن کر بہت متاثر ہوئے کارکنان جامعہ خصوصًا حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم ذات والا صفات کی محبت و عقیدت میں مزید اضافہ ہوا جن کے عزم و ارادہ نے ایک ناممکن کو ممکن بنادیا۔ اور آج آپ کے اخلاص و عمل نے آپ کی ذات کو محبوب فطرت بنادیا ہے ؎

یہی آئین فطرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

**انجمن کے جلسے اور طلباء کا ذوق وشوق**

ابتدائی جلسہ نے طلباء کے اندر ذوق وشوق پیدا کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا۔ وفور شوق کا یہ عالم تھا کہ ہر طالب علم دوسرے ہی دن سے اسٹیج پر آنے اور کچھ کہنے کا عزم مصمم لئے ہوئے حاضر ہوتا۔ اور کہتا کہ مولانا ہمیں

کون سی تقریر کرنی ہے۔ کس طرح حساب کیا جائے گا۔ انھیں اس سلسلہ میں ہدایت دی جاتی۔

**اساتذہ کی ذمہ داری** انجمن کی ذمہ داریاں طلبا ہی کو دی گئیں لیکن اساتذہ کی زیر نگرانی اور سرپرستی میں جامعہ کے صدر مدرس محمد خالد ندوی کو انجمن کا سرپرست مقرر کیا گیا۔ اور مولوی محمد طاہر صاحب ندوی کو النادی العربی کا مشرف اور بزم ہدایت کی ذمہ داری مولوی خورشید احمد ندوی کے حوالہ کی گئی۔ مولوی محمد امتیاز صاحب ندوی اور مولوی محمد یوسف صاحب ندوی کے سپرد بزم رحیمی کی ذمہ داریاں کی گئیں

**ذمہ دار طلباء** انجمن اور اس کی ذیلی شاخوں کے ذمہ دار طلبا تھے۔ محمد جمیل گجراتی کو ناظم اور محمد سہیل حسنی رائے بریلوی کو النادی العربی کا معتمد بنایا گیا۔ بزم رحیمی اور بزم ہدایت کے بھی الگ الگ معتمد مقرر کئے گئے۔ عناوین کا انتخاب اسکے مطابق تقریروں کی تیاری، ہلکے پھلکے عناوین پر مقالات کی ترتیب کا کام اساتذہ کی نگرانی میں انجام پاتا رہا۔ اور زلف سخن کی مشاطگی ہوتی رہی۔ اور رشحات قلم کے ابھرتے ہوئے نقش و نگار کے نوک پلک درست کرنے میں ذمہ داروں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ جس کا اندازہ گاہے بگاہے جائزہ لیتے یا کسی مہمان کی جلسہ میں شرف حضوری سے ہوا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔

**اضافی درجات** داخلہ کے وقت ہی اس کا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ طلبا کی مجموعی صلاحیت بہت کمزور ہے۔ طلبا کی اکثریت اردو سے نابلد صرف ہندی سے واقف تھی۔ اور کچھ ہندی کے ساتھ ساتھ انگریزی کی شد بد بھی رکھتے تھے لیکن صلاحیت کے اعتبار سے وہ بھی ایسے نہ تھے کہ نصاب کے مطابق منتخب کتابیں بسہولت ہضم کر سکیں۔ عربی کی ابجد تو انھیں پڑھائی ہی تھی لہذا اس سلسلہ میں زیادہ تشویش نہیں تھی۔ البتہ اردو کا مسئلہ بے حد پیچیدہ تھا کتابوں کو سمجھنا۔ سوالات کے جوابات قلمبند کرنا۔ ہوم ورک اور دیگر امور کی انجام دہی بغیر اردو

سیکھے ہوئے مشکل تھی۔ جو کتابیں داخل تھیں خواہ فن کے اعتبار سے ان کا تعلق کسی فن سے بھی ہو ان کی زبان اردو ہی تھی۔ یا بصورت دیگر اردو کے قالب ہی میں ذہن وفکر تک رسائی ممکن تھی۔

طلباء کی صلاحیتوں کے پیش نظر ضروری تھا کہ ان کے سلسلہ میں اضافی ذمہ داریاں قبول کی جائیں۔ خصوصاً اردو اور انگریزی کی تیاری اس کے بغیر ممکن نہیں تھی لہٰذا از خود جن حضرات کے پاس یہ مضامین تھے انھوں نے تطوعاً یہ ذمہ داری قبول کی اور زور دیا کہ اس کے لئے ایکسٹرا کلاسیں قائم کی جائیں۔ چنانچہ ظہر کے بعد بالترتیب نصف گھنٹہ کی تعلیم باضابطہ درجوں میں شروع ہو گئی۔ مولوی خورشید احمد صاحب ندوی نے اردو میں جو کمزور طلباء تھے ان پر خصوصی توجہ دی اور ماسٹر عبد الروف صاحب نے انگریزی کی تیاری میں پوری دلچسپی لی۔ جس کا بہترین ثمرہ سامنے آیا۔ اور ششماہی امتحان میں باوجود ان کمزوریوں کے طلباء کی مجموعی پیشرفت حوصلہ افزا رہی جو قابل تشکر واطمینان ہے۔

**ششماہی امتحان سے پہلے**

سلسلۂ تعلیم جاری ہوئے ایک ماہ ہو چکا تھا۔ صفر المظفر کا دوسرا مہینہ بھی قریب الختم تھا لہٰذا ضرورت محسوس کی گئی کہ طلباء کا ہر مضمون میں ٹیسٹ لیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے اساتذہ کے مشورہ سے ایک ایسا چارٹ تیار کر لیا گیا جس سے طلباء کی تعلیمی کارکردگی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا

| نمبر شمار | نام طالب علم | عمر | قابلیت بوقت داخلہ | دو سال میں قابلیت جو حاصل کی | جائے سکونت | نام مضمون | معیار کارکردگی | متعلقہ مدرس | یادداشت برائے عمومی |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| | | | | | | | | | |

اس چارٹ کے سامنے آنے

سے کچھ تعلیمی اعتبار سے ضرور تشفی ہوئی لیکن پھر بھی بہت سے ایسے طلباء تھے جو ہر مضمون میں درجہ صفر پر تھے۔ یہ صورت حال باعث تشویش ضرور تھی لیکن مایوس کن ہرگز نہیں تھی کیونکہ عام طور پر یہ وہ بچے تھے جنھوں نے شروع ہی سے پڑھنے میں کما حقہ دلچسپی نہیں لی۔ اور نہ ہی انکی حاضری اچھی رہی تھی بقیہ جو لڑکے دلچسپی اور لگن سے مطالعہ اور مذاکرہ میں لگے رہے، ان کا پروگریس قابل اطمینان تھا۔ بہرکیف مجموعی طور پر نقشہ، قابلیت وکارگردگی کے سامنے آنے سے طلباء نے ازسرنو محنت شروع کردی اور اساتذہ کی توجہ بھی پہلے سے بڑھ گئی جس کا اثر آنے والے امتحان پر اچھا پڑا۔

ششماہی امتحان | تعلیم اگرچہ دیر سے شروع ہوئی تھی لیکن مدارس عربیہ کا تعلیمی سال تقریبا نصف گذر چکا تھا جبکہ جامعہ میں ابھی صرف تین مہینے ہوئے تھے۔ لیکن اساتذہ اور طلبار کی توجہ اور کوشش کی وجہ سے تقریبا ایک سال کا نصاب مکمل ہوگیا تھا۔ لہذا یکم ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ مطابق ۴ دسمبر ۸۶ء سے ششماہی امتحان کا اعلان کردیا گیا۔ امتحان کا اعلان تقریبا دو ہفتہ پہلے نوٹس بورڈ پر آویزاں کردیا گیا تاکہ طلبہ یکسو ہوکر تیاری میں مصروف ہوجائیں اس اعلان کا خوش گوار اثر مرتب ہوا طلباء کے انہماک و توجہ میں قابل قدر اضافہ محسوس کیا جانے لگا تعلیم برابر جاری رہی البتہ دو روز قبل اسباق بند کردیے گئے اور امتحانی نمونوں کی مشقیں شروع کرادی گئیں۔ امتحان کا وقت ڈھائی گھنٹے مقرر کئے گئے۔ ۱۰ ربیع الثانی تک باستثنا جمعہ مسلسل امتحانات جاری رہے۔ طلباء تین حصوں میں منقسم تھے۔ اور ہر طالب علم کا رول نمبر متعین تھا۔ امتحانی کاپیوں پر بجائے ناموں کے انھیں نمبرات کا اندراج ضروری قرار دیا گیا۔ امتحان ہر روز ایک پرچہ کا ہوتا رہا۔ جو ساڑھے نو سے بارہ تک مکمل ہوجاتا تھا۔

امتحان ۸ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ کو مکمل ہوگیا اس کے بعد ایک ہفتہ کی تعطیل ہوئی اور تمام بچوں کو گھر جانے کی اجازت دی گئی. براہ ٹرین سفر کرنے والوں کے ریزرویشن کا نظم مدرسہ نے خود انجام دیا اور طلباء کی سہولت کے پیش نظر اسٹیشن تک لے جانے کے لئے ایک بس بھی کرایے پر حاصل کرلی گئی جس کی وجہ سے بڑی آسانی ہوئی مقررہ وقت سے پہلے ہی سارے طلباء و اساتذہ اسٹیشن پہنچ گئے۔ طلباء و اساتذہ کو رخصت کرنے جناب مولانا فضل الرحیم صاحب ندوی نائب امیر الجامعہ خود تشریف لائے۔ جس سے طلباء و اساتذہ سے تعلق خاطر اور محبت کا بخوبی اندازہ ہوا۔ آپ کے اس حسن اخلاق سے سبھی متاثر ہوئے جو ایک مرد کامل کی نشانی ہے۔ ؎

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نالے
دل گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بیتابے

**طلباء کی واپسی** بوقت تعطیل طلباء کو اسکی تاکید کردی گئی تھی کہ وقت پر حاضری بہت ضروری ہے ورنہ دیر سے آنے والے کے سلسلے میں نظر ثانی کی جائے گی۔ اس کا اچھا اثر ہوا۔ جنھیں مزید رخصت مطلوب تھی انھیں جائز عذر کی بنا پر اضافی رخصت دی گئی باستثناء چند بچوں کے سارے ہی طلباء وقت پر پہونچے۔ بعض علالت کی وجہ سے کافی تاخیر سے بھی وارد ہوے۔

**شفاخانہ** ذمہ داران جامعہ نے جامعہ کے قیام کے لئے جس طرح پرفضا اور صحت افزا مقام کا انتخاب کیا۔ تاکہ محل وقوع کی بنا پر جو رعنائی اور دلکشی فطری طور پر عمارتوں میں پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی قائم رہے۔ اور کشش فراواں کا باعث ہو۔ اسی طرح گلشن ھدایت کے ان طیور خوش نوا کی صحت کاملہ کا بھی خیال کیا گیا۔ کسی ایم. ڈی ڈاکٹر کی تلاش ابتداہی

میں شروع ہوگئی۔ لیکن بعض دشواریوں کے پیش نظر ایم. ڈی ڈاکٹر تو نہ مل سکا البتہ ایم۔بی۔ بی۔ایس اور اس کے مساوی قابلیت کے حامل ڈاکٹر کا نظم کر دیا گیا۔ اور روزانہ عصر بعد تا مغرب ایک گھنٹہ ڈاکٹر عبداللہ ظفر کی خدمات حاصل کرلی گئیں۔ اور باضابطہ مرکزی درس گاہ کی عمارت کے جنوبی حصہ ٹیکنیکل شبہ کے محاذ میں ایک وسیع کمرہ میں فی الحال شفاخانہ قائم کر دیا گیا ہے۔ اور سہ دست بیڈ کا بھی نظم کر دیا گیا ہے۔ ڈسپنسری کے قیام سے طلبا ر واساتذہ کو بڑی سہولت ہوئی۔

**مطبخ** جامعہ کے ذمہ داروں نے جس طرح ہر چیز میں اعلیٰ معیار قائم کرنے اور جدت و ندرت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح طلباء کیلئے مفید، صالح، اور عمدہ غذاؤں کا بھی نظم کیا ہے۔ اس سلسلے میں ماہرین طباخ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اور دو وقت کھانے کے ساتھ ناشتہ کا اعلیٰ نظم کیا گیا۔ جس کی مثال جامعات و مدارس کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ ہر طالب علم کے لئے ایک پاؤ دودھ کا باقاعدہ نظم ہے دودھ کے ساتھ کبھی انڈا کبھی دلیا، کبھی حلوہ نیز پاپے، بند، اور پراٹھے، وغیرہ فراہم کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ہفتہ میں مختلف چیزیں طلباء کے دسترخوانوں پر آتی رہتی ہیں۔ ناشتہ میں چائے کا بھی اہتمام ہے۔ دوپہر میں چپاتی، دال، کڑھی، سبزی، تہری، اور کبھی عمدہ قسم کی کھچڑی دی جاتی ہے۔ جبکہ شام میں بالالتزام بکرے کا گوشت دسترخوان کی زینت ہوا کرتا ہے۔ جمعہ کے دن چونکہ گوشت نہیں ملتا لہذا دوپہر یا شام میں انڈے کا سالن بنایا جاتا ہے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ کوئی میٹھی چیز مثلاً شاہی ٹکڑا، فیرنی کھیر یا زردا، مونگ یا گاجر کا حلوہ بھی دیا جاتا ہے۔ سارے طلبہ ایک ساتھ دسترخوان پر کھاتے ہیں اور ضرورت کے مطابق ہر چیز فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ذمہ داروں کی طرف سے قائمۂ طعام میں حذف

واضافہ کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ عصر کے بعد طلباء کے لئے چائے کا بھی نظم ہے۔ نیز بیمار طلباء کے لیے ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق کھانے کی چیزیں فراہم کی جاتی ہیں۔ طلباء کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے ایک اسٹور روم بھی قائم ہے جس سے اسٹیشنری کے سامان کے علاوہ دوسری اشیاء بھی مناسب قیمتوں پر حاصل کی جا سکتی ہیں۔

**گیزر کا استعمال** طلباء کی سہولت کی خاطر وضو خانہ اور طہارت خانہ کے مابین ایک عدد پاور گیزر لگایا گیا ہے تاکہ ضرورت کیوقت گرم پانی مہیا ہو سکے اور موسم سرما کی کلفتوں سے طلباء محفوظ رہ سکیں۔

**وفود کی آمد** جامعہ میں تعلیم کا آغاز ہوتے ہی مختلف علاقوں سے لوگوں کی آمد کا تسلسل جاری ہوگیا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی وفد مقامی بھی اور غیر مقامی بھی دونوں قسم کے پہونچتے رہے۔ بیرون ہند بسنے والے تارکین وطن نے بھی اسکو دیکھنے اور اسکے نظام کو سمجھنے میں کافی حد تک دلچسپی لی۔ بہت سے لوگوں نے سال رواں ہی میں داخلہ کی کوشش کی لیکن وقت گذر جانے کی وجہ سے معذرت کرنی پڑی اور وہ سال آئندہ داخلہ کی امید لئے واپس گئے۔

لندن سے کئی حضرات تشریف لائے ۱۹ جنوری ۸۷ء کو جناب عطاء الرحمٰن صاحب جو پاکستانی شہریت کے ساتھ برطانیہ کے بھی شہری ہیں، مانچسٹر میں ایک ذمہ دار عہدہ پر فائز تھے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ علمی لائن کے آدمی ہونے کی وجہ سے جامعہ کو خصوصیت سے دیکھنے کے لئے آئے۔ جامعہ کے پورے کیمپس کا بغور مشاہدہ کیا۔ ٹیکنیکل شعبہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اور بار بار اپنی مسرتوں کا اعادہ کیا۔ نظام و ڈسپلن کے بے حد قائل اور پابند معلوم ہوئے اس کا اظہار بھی کیا۔ یہاں کے معمولات کی تحسین کی۔ طلباء کے ساتھ تعلیمی سلسلہ میں کسی قسم کی رعایت ایک جرم ہے جس کے وہ روادار نہیں۔ کیونکہ طلباء کی صلاحیت اس سے متاثر ہوتی ہے لہذا ان کا کہنا تھا کہ۔

"طلباء کے ساتھ رعایت انھیں تعلیم و تربیت میں ناقص رکھنا ہے"۔

جہاں ہر طلباء کو ناقص کارکردگی کی وجہ سے کسی قسم کی تنبیہ اور گوشمالی کے حق میں نہیں، پیار و محبت سے پڑھانے اور طلباء کی نفسیات کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے ساتھ معاملہ کرنے پر انھوں نے زیادہ زور دیا آدمی دین پسند تھے گفتگو اچھی فرما رہے تھے۔ وہ اصلاً ہندوستانی نژاد جے پور کے رہنے والے ہیں۔ لیکن تقسیم کے وقت پاکستان چلے گئے اور پھر لندن منتقل ہوگئے۔

**مولانا اجتبا صاحب ندوی کی آمد**

۲۱ جمادی الاول ۷ھ مطابق ۲۲ جنوری ۸۷ء بروز جمعرات کو حسب معمول جامعہ کھلا، سرد ہواؤں کی وجہ سے ہر چیز یخ ہو رہی تھی موسم سرما کا شباب تھا کہر آلود فضا کی وجہ سے دھند لکا چھایا رہا فضا بوجھل سی تھی درجات میں تعلیم شروع ہو چکی تھی، اسی اثنا میں فون کی گھنٹی بجی، عام طور پر تعلیمی وقت میں فون بہت کم آتا ہے۔ اس وقت جامعہ کی طرف سے فون کرنے پر پابندی بھی ہے۔ ریسیو ر ہاتھ میں لیتے ہی معلوم ہوا کہ حضرت صاحب مخاطب ہیں۔ اور راقم الحروف کو طلب کیا جا رہا ہے۔ رابطہ قائم ہوتے ہی یہ مسرت آگیں خبر سننے کو ملی۔ حضرت صاحب فرما رہے تھے کہ "بیٹا! مولانا محمد مرتضیٰ صاحب اور مولانا محمد اجتباء صاحب ندوی تشریف لا چکے ہیں۔ انھیں آدھے گھنٹہ کے اندر لیکر جامعہ آرہا ہوں" آمد کی خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی۔

جمعرات کا دن تھا تعلیم نصف گھنٹہ کے اعتبار سے درجوں میں ہو رہی تھی ساڑھے بارہ بجے تک سارے گھنٹے مکمل ہونے والے تھے۔ حضرت صاحب اور معزز مہمانوں کی تشریف آوری ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ہوئی۔ ملاقات کے بعد پرنسپل آفس میں تھوڑی دیر نشست رہی۔ حضرت صاحب آفس کا نظام اور انٹر کام سسٹم سے معزز مہمانوں خصوصاً مولانا محمد اجتباء ندوی کو روشناس کراتے رہے پھر وہ نقشہ تعلیمی پیش کیا گیا جس سے طلبہ کی تعلیمی کارکردگی اور

تدریجی قابلیت پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز موجودہ نظام الاوقات کا چارٹ بھی دونوں حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

**یادگار سنگی ستون** بعد ازاں حضرت صاحب نے درس گاہ کی مرکزی عمارت جہاں آنس واقع ہے نیز درجات، دار الحدیث ھال، دار الاساتذہ، درجات حفظ قرآن وحدیث ڈسپینسری نیز ورک شاپ وغیرہ دکھاتے ہوئے اچانک مشرقی گوشہ کے درمیان میں لگے ہوئے ایک ۱۴ × ۱۴ مربع مستطیل ستون (جسکی لمبائی دس فٹ۔ وزن ایک ٹن جو سرخ پتھر کا ایک ہی ٹکڑا ہے جن کی مجموعی تعداد بیس ہے) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"مولانا اس ستون کو دیکھئے ایک ہی پتھر کا ٹکڑا ہے ایک ٹن وزن ہے۔ شروع میں کام کرنے کا اتنا شوق تھا کہ ایک موقع پر اس ستون کو کھڑا کر کے مسالہ دینا تھا۔ کوئی تھا نہیں تو اکیلے میں نے اس میں مسالہ دیا ہے۔ آج اس ستون کو دیکھتا ہوں تو وہ منظر یاد آتا ہے جس سے جوش وخروش کی ایک تاریخ وابستہ ہے۔ اور آج یہ حالت ہے کہ اوپر چڑھنے میں بھی زحمت محسوس ہوتی ہے۔

**ہم اللہ کے بھروسہ کام کرتے ہیں۔** سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ بمبئی میں ایک صاحب جو ایک ادارہ کے اہم ذمہ دار ہیں ان سے ملاقات ہوئی وہ کہنے لگے مولانا میرا ایک منصوبہ ہے جس پر ڈیڑھ کروڑ کی لاگت کا اندازہ ہے فی الحال میرے پاس ۸۰ اسی لاکھ موجود ہے لیکن میں شروع نہیں کر پا رہا ہوں یہ سوچ کر کہ بقیہ روپیہ کا نظم کیسے ہوگا ابھی تک اس منصوبہ پر کام شروع نہیں کیا جا سکا ہے۔ میں نے کہا کہ بھائی ہم نے تو اس وقت کام شروع کر دیا جب ہمارے پاس کچھ نہیں تھا۔ اور اتنا بڑا کام ہو گیا۔ اور آپ کے پاس اسی لاکھ روپیہ ہے اور آپ نہیں کر پا

دے ہیں۔ یہی آپ کے اور ہمارے درمیان فرق ہے۔ آپ پیسوں پر انحصار کرتے ہیں۔ اور یہاں اللہ کی ذات کے بھروسہ کام شروع کر دیا جاتا ہے۔

**کتب خانہ** | جامعہ کی مرکزی عمارت کی دوسری منزل میں کتب خانہ واقع ہے جس میں اوسط درجہ کے تین ہال اور چار کمرے ہیں شمال مغربی حصہ میں طہارت خانہ بنا ہوا ہے کتب خانہ میں جانے کے لئے راہداری ہے جو دو طرفہ اور دو حصوں میں منقسم زینوں سے جڑی ہوئی ہے جہاں سے دارالحدیث کی بالائی منزل میں بھی جانے کا راستہ ہے۔ وہاں سے گذر کر اس چھت تک جایا جاسکتا ہے جہاں پوری عمارت کو ایر کنڈیشن کرنے کے لئے ایر کنڈیشن پلانٹ لگانے کا ارادہ ہے۔ وہ حصہ چونکہ سب سے اونچا ہے لہذا وہاں سے جامعہ کی پوری آراضی کا فضائی مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس پوری عمارت میں تقریباً چالیس ہزار کتابوں کی گنجائش ہے جبکہ ابتدائی مرحلہ میں تقریباً پانچ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ لیکن جو کتابیں ہیں وہ منتخب اور چیدہ ہیں دارالمصنفین اعظم گڈھ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مطبوعہ تقریباً ساری کتابیں موجود ہیں۔ اور دوسرے مشہور مکتبوں سے بھی کتابوں کے سلسلہ میں برابر رابطہ قائم ہے۔ سائنس، علم کیمیا، اور ریاضی وغیرہ کی درسی کتابیں دہلی سے حاصل کی گئی ہیں۔ معزز مہمانوں نے کتب خانہ کو دیکھکر خوشی کا اظہار کیا اور بعض بیرون ممالک مکتبوں سے اس سلسلہ میں رابطہ پیدا کرنے کا بھی مشورہ دیا، تاکہ عمدہ اور اہم مطبوعات کا ذخیرہ ہوسکے۔

**النادی العربی** | طلباء کا ہفتہ وار عربی پروگرام الگ الگ درجوں میں شروع ہونیوالا تھا لیکن معزز مہمانوں کی آمد کو غنیمت خیال کرتے ہوئے اجتماعی پروگرام کا اعلان کردیا گیا۔ اور حضرت شاہ صاحب مدظلہ سے معزز مہمانوں کے ہمراہ تھوڑی دیر شرکت کی درخواست کی گئی جو از راہ کرم قبول کر لی گئی۔ جس سے بے حد مسرت ہوئی

**مولانا اجتباء صاؔ ندوی کا خطاب**

ڈائس پر حضرت صاحب کے ہمراہ معزز مہمان رونق افروز تھے۔ دو تین بچوں نے عربی میں تقریریں کیں بعدازاں راقم الحروف کی ایماء پر مولوی محمد طاہر صاحب نے مولانا اجتباء صاحب ندوی سے درخواست کی کہ اس زرین موقع پر اپنے خیالات وتاثرات سے نوازیں، جو ہمارے لئے اور عزیز طلباء کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔

مولانا نے خندہ پیشانی سے یہ دعوت قبول فرمائی اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا۔

" آج میرے لئے سعادت کا موقع ہے کہ جس ادارہ کی نسبت میں برسوں سے سن رہا تھا آج اس چمنستانِ علم وہدایت میں حاضری کا موقع مل رہا ہے بلکہ اس گلستاں کے پھولوں کو دیکھنے اور ان سے کچھ سننے اور شرف تکلم سے بھی نوازا جارہا ہوں۔ عزیزو! مجھے اس بات سے بے حد مسرت ہے کہ وہ سرزمین جو اسلامی طرزِ معاشرت، تہذیب وثقافت، اور علوم وفنون کے مرکز سے ہزاروں میل دور سنگلاخ وادی کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس سرزمین پر اس جامعہ کی برکت سے عربی زبان کی بزمیں منعقد ہورہی ہیں۔ آپ لوگوں کو فصیح عربی زبان میں تقریر کرتے ہوئے سن کر ایسا احساس ہو رہا تھا کہ میں سرزمین عرب پر ہوں۔ لیکن آپ یقین رکھیں کہ عرب طلباء بھی چند جملے فصیح استعمال کرکے عام طور سے عامی زبان بولنے لگتے ہیں جس کا مجھے تجربہ ہے۔ جبکہ میں آپ لوگوں کو شروع سے اخیر تک فصیح زبان استعمال کرتے ہوئے سنا جس سے بے حد مسرت ہوئی۔

اس موقع پر اپنے طالب علمی زمانہ کا وہ تاریخی واقعہ یاد آرہا ہے۔ جب ندوۃ العلماء میں عالم اسلام کے نامور فرزند، مفکر، ادیب، اور صحافی جناب سعید رمضان تشریف لائے تھے۔ موصوف کے اعزاز میں جلسہ ہوا، یہ سمجھنے کے لئے کہ طلباء نے عربی بھی یا نہیں بعض طلباء سے انھوں نے سوالات بھی کئے۔ طلباء کے جوابات فصیح عربی زبان میں سنکر وہ بہت متاثر ہوئے

جسے انھوں نے ندوہ کا ایک امتیاز قرار دیا اور دل کھول کر تعریف وتحسین کی۔

اسی طرح دنیائے عرب کی ایک مشہور ومعروف شخصیت علی الطنطاوی نے ندوہ کا دورہ کا۔ اور طلباء سے تبادلہ خیال کیا۔ ان کی مجلسوں میں شریک ہوئے۔ جس کا تاثر موصوف پر یہ ہوا کہ فرمانے لگے۔ "دل چاہتا ہے کہ کاروان عمر پیچھے مڑتا اور میں پھر سے بچہ ہو جاتا اور ندوہ میں آکر داخلہ لیتا اور علم وفضل کے آبگینے لیکر نکلتا اور اپنے نام کے ساتھ ندوی لگاتا۔ وہ دن میرے لئے بڑی خوشی کا ہوتا۔"

عزیزو! یہ ان کا تاثر اسی زبان کی برکت کا ثمرہ تھا جس میں آج آپ نے تقریریں کی ہیں اور چند مہینوں کی قلیل مدت میں آپ نے اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں عربی زبان کے جملے بولنے لگے ہیں۔ اس پر آپ لوگوں کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اور حوصلہ افزائی کرتا ہوں۔ کیونکہ عربی زبان کی حیثیت مجرد ایک زبان ہی کی نہیں بلکہ وہ اسلامی تہذیب وتمدن، علم وثقافت اور فکری نظری سرمایہ کی امین ہے۔ وہ قرآن پاک کی زبان ہے جو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا۔ وہ پیغمبر اسلام کی زبان ہے، جس میں حدیث کا سارا ذخیرہ موجود ہے۔ آپ اس اعتبار سے سعادت مند ہیں۔ آپ محنت سے پڑھیں۔ اساتذہ کی قدر کریں۔ ان کی رہنمائی میں گوہر مقصود کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور حضرت صاحب کی تمناؤں اور امیدوں کو فروغ دینے اور بروے کار لانے والا بنیں۔ میں دعا گو ہوں۔ اور اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔"

**حضرت صاحبؒ کی اختتامی تقریر**

اخیر میں حضرت صاحب سے تقریر کی درخواست کی گئی، جسے آپ نے شرف تبولیت بخشا اور ارشاد فرمایا۔ کہ اس بزم میں شرکت سے مجھے بھی بہت مسرت ہوئی ہے۔ مولانا نے آپ لوگوں سے جو کچھ فرمایا ہے وہ بہت کافی ہے البتہ قلیل مدت میں آپ نے جس طرح محنت کرکے اپنے آپ کو سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ اس

ہے بہت مسرت ہوتی ہے اساتذہ بھی قابل مبارک باد ہیں جن کی محنت، اور کاوشوں کا بہترین ثمرہ سامنے آرہا ہے۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ذوق شوق، محنت ولگن میں مزید اضافہ فرمائے۔ اور آپ سب انوار ہدایت بن کر پوری دنیا کے لئے مینارۂ نور ثابت ہوں۔ آمین

**تقسیم انعامات** | مسابقت وہ فطری جذبہ ہے جس سے انسانوں کی خوابیدہ صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ اور فطری استعداد کو نشو نما پانے کا بہترین موقع ملتا ہے۔ جذبۂ مسابقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے **قرآن پاک** میں کئی مقام پر انسانوں کو دعوت عمل دی گئی ہے۔ کبھی فرمایا گیا۔ **فاستبقوا الخیرات** "نیکیوں میں سبقت کرو" اور کہیں ارشاد ہوا۔ **لمثل ھٰذا فلیعمل العاملون** کام کرنے والوں کو ایسا ہی کام کرنا چاہئے" یہی وہ جذبۂ دروں ہے جس کے ظہور نے عجائبات رونما کئے ہیں۔ ناممکنات کے دشت وبیاباں کو لہلہاتے ہوئے کشت زاروں میں تبدیل کیا ہے۔ یہی وہ جذبۂ فرہاد ہے جس سے جوئے شیر رواں ہوتی ہے۔ اور بساط گیتی پر ہر طرف رونقیں جنم لیتی ہیں۔

اس جذبہ کو طلباء میں پرورش دینے کی اشد ضرورت تھی تاکہ جہل وضلالت کے ریگزاروں میں علم وثقافت کے گلستاں تعمیر کرسکیں چنانچہ ششماہی امتحان سے قبل یہ اعلان کیا گیا کہ جو طالب علم پورے جامعہ میں امتیازی نمبر لائے گا۔ اس کی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ اور انعامات دئے جائیں گے۔ اور یہ انعام ان تین خوش نصیب بچوں کو ملے گا جنھوں نے بالترتیب پہلی، دوسری۔ اور تیسری پوزیشن حاصل کی ہوئی ہوگی۔ اس اعلان کے ساتھ ہی طلباء نے مذاکرہ، ومطالعہ، اور اسباق کی تیاری میں باہم مسابقت شروع کردی۔ جس کا خوشگوار اثر نتیجہ پر پڑا۔

اعلان کے مطابق تقسیم انعامات کرنا تھا۔ کسی مناسب موقع کی تلاش تھی لہٰذا ان حضرات کی آمد کو غنیمت تصور کیا گیا۔ اور درخواست کی گئی کہ آج شب میں تقسیم انعامات کے سلسلہ

میں ایک جلسہ ہونے جارہا ہے۔ ہم سب کی خواہش ہے کہ آپ حضرات شرکت فرماکر ممنون فرمائیں۔ اس سے طلبا، کی توصلہ افزائی ہوگی۔ اور ہم سب کے لئے باعث فرحت وانبساط ازراہ کرم دعوت قبول ہوگئی۔ لہٰذا جلسہ وغیرہ کی تیاری بعجلت مکمل کی گئی۔ اور عشاء، بعد جامعہ کے طالب علم حافظ محمود عالم کی قرأت سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا دو تین بچوں کی اردو میں تقریریں بھی ہوئیں۔ بعدازاں مہمان خصوصی جناب مولانا اجتبا صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے دوہری خوشی حاصل ہورہی ہے ایک جامعہ کو دیکھنے اور یہاں کے طلبا، عزیزے ملنے اور ان کے تقریروں کے سننے سے اگرچہ یہ میرے لئے فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ کس کی خوشی زیادہ ہے۔ بہرکیف میں بے حد مسرور ہوں۔ تقریر کے دوران علم کی اہمیت پر بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی تھی وہ **اقرأ** تھی جس کے معنی "پڑھو" کے ہیں۔ پڑھنے سے ہی علم آتا ہے۔ اور پڑھنا پڑھانے والے سے ہوتا ہے۔ **الحمد للہ** یہ ادارہ اسی اقرأ کی بازگشت ہے جس کا کام پڑھنا پڑھانا ہے۔ مزید آپ نے فرمایا کہ آج مفکرین یورپ انگشت بدنداں ہیں۔ وہ اس بات کی توجیہہ نہیں کرپاتے ہیں "میں چاہوں تو بہتوں کے نام لے سکتا ہوں لیکن بہتر نہیں سمجھتا، میں تو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج دنیا کے مفکرین حیران ہیں کہ وہ قوم جو علم ناآشنا تھی جب اس نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا تو اس کے افراد اس درجہ علم پرور اور علم دوست کیسے ہوگئے کہ غزوۂ بدر میں جب اسیران قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں کہ فدیہ لیکر چھوڑ دو اور جن کے پاس فدیہ میں دینے کیلئے کچھ نہیں تھا۔ اس کی رہائی کی یہ شرط رکھی جاتی ہے کہ دس مسلمانوں کو وہ تعلیم دے۔ ذرا آپ غور فرمائیں کہ اس موقع پر مسلمانوں کو پیسہ کی کتنی ضرورت تھی۔ قریش نے انھیں تنگ کیا تھا آج وہ پابجولاں مسلمانوں کے حضور میں حاضر تھے لیکن علم کی

اہمیت پیسے سے کہیں فزوں تر تھی اس کا مقام اس سے کہیں بلند تھا لہٰذا بارگاہ رسالت میں اس کا ظہور ہوا۔

آپ اس خرمن رسول کے خوشہ چیں ہیں. آپ توجہ سے پڑھے اور جو کچھ آپ نے چند مہینوں میں حاصل کیا ہے اس سے کہیں زیادہ آئندہ مہینوں میں حاصل کرنے کی کوشش کیجئے. میں آپ سب کو مبارک باد دیتا ہوں اور ترقیوں کا متمنی ہوں۔

**صدر جلسہ کا خطاب**

صدر جلسہ مولانا محمد مرتضی صاحب کے ہاتھوں انعامات تقسیم کئے گئے جامعۃ الھدایہ کے نائب امیر مولانا محمد فضل الرحیم صاحب ندوی نے منتخب طلباء کے ناموں کا اعلان کیا. اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرات ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کئی بچوں کے نمبرات بالکل یکساں آجائیں. لیکن آج اتفاق کی بات ہے کہ پہلی پوزیشن جس نے حاصل کی ہے اس کے علاوہ دو بچے ایسے ہیں جن کے نمبرات بالکل یکساں ہیں. اس کا علم پہلے نہیں ہو سکا تھا۔ ورنہ دونوں بچوں کو الگ الگ انعامات پیش کئے جاتے. لہٰذا دوسری پوزیشن پر ان دونوں کو رکھتے ہوئے ایک ہی انعام دونوں کو فی الحال دیا جائے گا. اور بعد میں ایک انعام مزید فراہم کیا جائے گا۔ جس بچے کی تیسری پوزیشن تھی اسکے نمبرات میں محض آدھے نمبر کا فرق تھا لیکن اس فرق کو بہر کیف ملحوظ رکھا گیا۔

اخیر میں صدر جلسہ نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک نے انعام پایا ہے اور ہر فرد مبارکباد کا مستحق ہے. جنھوں نے نقد انعام پایا وہ تو ہیں ہی. لیکن جن کا انعام ادھار رہ گیا ہے. وہ بھی قابل مبارک باد ہیں۔ اور آپ لوگوں کا انعام ادھار رہ گیا ہے انشاء اللہ آئندہ آپ ضرور پائیں گے بس آپ لوگ محنت جاری رکھیں. ابھی تو تین چار مہینے کی کل مدت گذری ہے. جس میں توقع سے زیادہ آپنے کامیابی حاصل کی ہے جس

کے لئے آپ اور آپ کے اساتذہ دونوں ہی قابل مبارک باد ہیں۔ آپ لوگوں کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں۔ "آمین"، صدر جلسہ کی تقریر اور دعا، اور راقم الحروف کے شکریہ پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

آغاز تعلیم سے لیکر تادم تحریر کی یہ وہ روداد ہے جو ہدیہ ناظرین ہے۔ جس سے جامعہ کی سرگرمیوں کا اندازہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اسکے آئندہ کے مقاصد پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ جن کو بروئے کار لانے کے لئے سالوں کی تگ و دو چاہئے۔ لیکن وہ سب کوششیں آغاز سے ہم رشتہ ہونگی۔ اور اپنے تمامتر فضل و کمال کے اسی کی رہین منت اسی کی بنیاد پر مستقبل کے در و بام اور محرابیں بلند کی جائیں گی۔ اور قصر ہستی کی تعمیر و تزئین مکمل ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ بانی و کارکنان کے عمل و خلوص کو قبول فرماکر جامعۃ الھدایہ کو مطلع انوار اور سرچشمۂ فیض بنادے جہاں چین و سکون نشاط و انبساط حاصل ہو۔ اور ہر طرف یہ نغمہ گونج رہا ہو۔

یہ وادیٔ شاہ ہدایت ہے یہ مرکز سنبل و سرو سمن
ہر آن جہاں یہ بہتی ہے فن علم و ہنر کی گنگ و جمن
بام و در قصر ہستی پر رحمت کی طرح ہے سایہ فگن۔
قدرت نے جسے وہ روپ دیا جو سب کی نظریں من موہن
تسنیم کی آمیزش جس میں خوشبو میں مثال مشک ختن
وہ جرعۂ ساغر عرفانی جس میں ہے نشاط خلد بریں

آفریں، آفریں، آفریں، آفریں،
آفریں، آفریں، آفریں، آفریں،